INDIAN STREAMS RESEARCH JOURNAL
ISSN NO : 2230-7850
IMPACT FACTOR : 5.1651 (UIF)
VOLUME - 16 | ISSUE - 2 | MARCH – 2026

ڈاکٹر محمد زاہد الحق : کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

خاکہ نگار:۔ڈاکٹر انجم فاطمہ

ذرا دل تھام کر بیٹھیے، یہ کسی ایرے غیرے، نتھو خیرے کا خاکہ نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کا خاکہ ہے جس کی نہ دوستی اچھی، نہ دشمنی اچھی۔ یہ شخص دوستی میں اپنی جان بھی دے سکتا ہے اور دشمنی میں کسی کی جان بھی لے سکتا ہے۔ ذرا دیر کے لیے راقمہ (انجم فاطمہ) اپنی تحریر کو روکتی ہے کیوں کہ مولوی عبدالحق کا مولانا محمد علی جوہر کے اوپر لکھا ہوا خاکہ میرے ذہن میں دستک دے رہا ہے۔ مولوی عبدالحق، مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد علی جوہر عجیب و غریب شخص ہوئے ہیں وہ مختلف متضاد اور غیر معمولی اوصاف کا مجموعہ تھے۔ اگر انھیں ایک آتش فشاں پہاڑ یا گلیشیر سے تشبیہ دی جائے تو کچھ زیادہ مبالغہ نہ ہوگا۔ ان دونوں میں عظمت و شان ہے لیکن دونوں میں خطرہ اور تباہی بھی موجود ہے''(1)

آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون ہے؟ اس کا حلیہ کیسا ہے؟ آپ لوگ اس شخص کے حلیے پر نہ جائیں، حلیہ بتانے میں راقمہ کو بڑی دقت محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے کبھی کسی پہاڑ یا چٹان کو چلتے ہوئے دیکھا ہے؟ میرے خیال سے نہیں دیکھا ہوگا لیکن میں اس پہاڑ کو چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، ہنستے بولتے 2011 سے لے کر آج تک دیکھ رہی ہوں۔ آپ بھی اس پہاڑ یا چٹان کا تعارف تو سنیے، قد 6 فٹ سے زیادہ، 4 فٹ چوڑائی، بڑا سا چہرہ، بڑے سے چہرے پر تیز نکلتی ہوئی ناک، شاہین جیسی بڑی بڑی آنکھیں (یہاں میں شاہین کی مثال اس لیے دے رہی ہوں کہ جس طرح شاہین اونچائی پر سے اپنے شکار پر نظر رکھتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی اپنے روم میں بیٹھے بیٹھے اپنے اطراف کے تمام حالات و واقعات کو دیکھتا ہے) سانولی سی رنگت والا یہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد محترم ڈاکٹر زاہد الحق ہیں۔ جب یونی ورسٹی میں ان کا تقرر عمل میں آیا تو شعبے میں ایک طوفان سا آ گیا اور ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہل گئی۔ کوئی بات کرتے وقت تلفظ پر دھیان دینے لگا تو کوئی شاعری میں بحر اور وزن پر زور دینے لگا۔ کوئی اپنی انگریزی درست کرنے لگا کہ کہیں کچھ غلطی نہ ہو جائے اور زاہد صاحب کی پکڑ میں نہ آ جائے۔ زاہد صاحب کی دماغی قوت کا اندازہ تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اُن سے ملتے جلتے، بات چیت کرتے ہیں۔ ان کی باتیں نہایت پر لطف اور مزے کی ہوتی ہیں۔ ان کی باتوں میں ایک جادو سا ہوتا ہے جو سامعین کے دل پر بے اختیار اثر کرنے لگتی ہیں اور لوگ خود بہ خود ان پر فدا ہو جاتے ہیں۔ (اور جو کام کو آئے تھے وہ کام بھی بھول جاتے ہیں) راقمہ بچپن سے ایک محاورہ سنتی آئی تھی ''کم عمر میں تجربہ زیادہ''۔ جب میں نے زاہد صاحب کو دیکھا تو اس محاورے کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آ گئے۔ ہر سوال کا جواب زاہد صاحب کے پاس ہوتا ہے۔ ان کا علم اس قدر وسیع ہے کہ یوں سمجھ لیجیے کہ چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ زاہد صاحب کی طبیعت اور ذہانت بڑی کمال کی ہے۔ ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ دیگر علوم و فنون پر بھی

اچھی نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہیں تو اردو زبان کے استاد مگر انگریزی بھی خوب جانتے ہیں (اردو ادب کے بہت کم اساتذہ انگریزی زبان پر قدرت رکھتے ہیں)۔ اردو ادب کا مسئلہ ہو یا پھر انگریزی ادب کا، وہ بات کی تہہ تک خوب پہنچتے ہیں۔ ان کی باتیں اور گپ شپ بہت ہی دلچسپ اور بصیرت افروز ہوتی ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ انھیں روک سکے۔ سامنے والا چپ چاپ بیٹھے، صرف ان کی باتوں کو سنتا رہے اور وہ اپنی بات ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ پھر ایک لمبی سی سانس لے کر ایک بوتل پانی ایک ہی سانس میں پی جائیں گے۔

آج کل زاہد صاحب کی زیادہ تر باتیں پروفیسر حبیب نثار سنتے ہیں۔ وہ نثار صاحب سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ جب نثار صاحب کسی بات پر ڈانٹتے ہیں تو صرف ''جی صاحب، جی صاحب، آپ ہمارے استاد محترم ہیں، آپ کی کہی ہوئی بات کو میں کس طرح ٹال سکتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہاں سے چپ چاپ چلے جاتے ہیں۔ راقمہ نے بارہا اس منظر کو دیکھا ہے اور بیٹھے بیٹھے صرف یہ سوچتی رہی کہ چلیے، زاہد صاحب نے آخر کسی کے سامنے تو اپنا سر جھکایا۔

یہاں استاد محترم پروفیسر حبیب نثار صاحب کا ذکر ہو رہا ہے تو کچھ باتوں کی وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔ پروفیسر حبیب نثار صاحب نے 2013 سے لے کر 2016 تک تین بین الاقوامی سمینار اور دو قومی سطح کے سمینار کروائے تھے، راقمہ بھی ان سمیناروں میں شریک رہی اور مقالہ بھی پیش کر چکی ہے۔ زاہد صاحب نے پروفیسر حبیب نثار صاحب کے ان سمیناروں میں ابتدا سے اختتام تک ہر قدم پر نثار صاحب کا ساتھ دیا۔ سمینار کے دعوت نامے سے لے کر پروگرام کے مہمان خصوصی کو لے کر آنے، ان کے اور دیگر مندوبین کے رہنے اور کھانے پینے کا ہر انتظام سمجھو زاہد صاحب ہی کرتے تھے جس کی وجہ سے شعبۂ اردو میں سمیناروں اور دوسرے پروگراموں کا ایک اچھا خاصا تعلیمی ماحول بن گیا ہے۔

زاہد صاحب کا حافظہ بھی غضب کا ہے۔ وہ خود مابعد جدید کے ایک ابھرتے ہوئے شاعر ہیں مگر ہمارے دوسرے شعرا جیسے میرؔ، مومنؔ، غالبؔ، ذوقؔ، اقبالؔ، فیضؔ، جوشؔ، ناصرؔ کاظمی وغیرہ نہ جانے بے شمار شعرا کا کلام ان کے ذہن میں محفوظ ہے۔ موقعے کے لحاظ سے برجستہ اشعار کہنے کا ان کا اپنا ایک الگ ہی انداز ہے۔ وہ کسی بھی شعر کو اس انداز میں کہہ جاتے ہیں کہ خود وہاں اگر شاعر بھی موجود ہو تو وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے سوچنے لگ جائے گا کہ یہ میرا ہی شعر ہے؟ شعر لکھنا اور اس کو اچھی طرح سے بیان کرنا ایک ساتھ دونوں خوبیاں بہت کم شعرا میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں پر میرے ذہن میں مجتبیٰ حسین نے فیض احمد فیض کا جو خاکہ لکھا ہے، وہ دستک دے رہا ہے۔ فیض احمد فیضؔ کے بارے میں مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں:

> میں نے فیضؔ کو کئی برس پہلے حیدرآباد کے ایک مشاعرے میں دیکھا تھا۔ اپنے محبوب شاعر کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ایک سامع کی حیثیت سے میں انھیں بہت دیر تک دیکھتا رہا مگر جب انھوں نے کلام سنانا شروع کیا تو انھیں دیکھنے کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ ایسی بے دلی سے کلام سناتے تھے جیسے کسی دشمن کا کلام سنا رہے ہوں جسے سناتے وقت وہ اپنی اتنی اچھی شاعری کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔ (2)

دراصل شاعری زاہد صاحب کی رگ و پے میں بسی ہوئی ہے۔ اگر فیض احمد فیض آج زندہ ہوتے اور اپنے اشعار زاہد صاحب سے سنتے تو اپنی شاعری پر ضرور فخر کرتے اور کہتے ''ارے میں نے اتنی اچھی شاعری بھی لکھی ہے'' شعر و شاعری کی بات ہو رہی ہے تو مجھے 26/ جنوری 2013 کا وہ مشاعرہ یاد آ رہا ہے جس میں کارکن کے طور پر میں بھی وہاں موجود تھی اور زاہد صاحب نے اس مشاعرے کی نظامت کی تھی۔ وہ ایک بے حد عمدہ مشاعرہ تھا جس میں پروفیسر وسیم بریلوی، ڈاکٹر راحت اندوری سے لے کر اردو مشاعرے کے اسٹیج کے تمام بڑے نام موجود تھے۔ مجھے اس مشاعرے میں چند شعرا کا کلام بہت زیادہ پسند آیا، اس سے کہیں زیادہ مجھے زاہد صاحب کی نظامت پسند آئی۔ وہ مشاعرہ بہت ہی کامیاب رہا۔ اس مشاعرے کی کامیابی کے پیچھے صرف اور صرف زاہد صاحب کا ہاتھ تھا۔

زندگی میں اچھے اساتذہ خوش نصیب طالب علموں کو ملتے ہیں۔ ایسے اساتذہ ہمارے لیے ایک Ideal اور رہنما ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اسکالرز کی رہنمائی تو کرتے ہی ہیں مگر دوسرے اساتذہ کے اسکالرز کی ہمت افزائی کے ساتھ انھیں اپنے مفید مشوروں سے فیض یاب بھی کرتے ہیں۔ راقمۃ الحروف نے قومی اور بین الاقوامی سمیناروں کے مقالے کی ان سے تصحیح کروائی اور مشکل الفاظ کے معنیٰ اور تلفظ پر اصلاح بھی لی۔ راقمہ نے صرف اتنا ہی کہا تھا ''صاحب، آپ کی تھوڑی سی مدد چاہیے، یہ سنتے ہی وہ اپنی تمام مصروفیات کو تھوڑی دیر کے لیے بازو رکھ کر کہتے ''جی بولیے''۔ یہی ادا انھیں حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی کے تمام اساتذہ سے ممتاز کرتی ہے اور شاید اسی وجہ سے کوئی بھی اسکالر بغیر کچھ سوچے سمجھے اپنی مشکلات کو لے کر زاہد صاحب کے پاس حاضر ہوتا ہے۔ آج وہ حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی میں اسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے کاربند ہیں، وہ ایک دن پروفیسر اور اللہ نے چاہا تو ضرور کسی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی ہوں گے۔ آخر میں ان کی شادی کی دعا کرتی ہوں۔ ''گستاخی معاف'' مجھے پتہ ہے زاہد صاحب کی شادی کے بعد ان کی بیوی ضرور گونگی ہو جائے گی کیوں کہ آپ انھیں کبھی کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دیں گے (یہ تحریر پہلے کی ہے، مجھے بعد میں پتا چلا کہ ان کی شادی ہو چکی ہے۔ خدا کرے کہ ان کی بیگم میری سوچ کے برعکس طاقت گویائی کا موقع بہ موقع استعمال کر رہی ہوں گی)۔ اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کے دوستوں کو بچائے کیوں کہ وہ اپنے دوستوں کو چائے پلا پلا کر مار دیں گے اور خدا زاہد صاحب کے دشمنوں کو بھی بچائے کیوں کہ اُن کی دشمنی سے تنگ آ کر ایک دن اُن کے دشمن ضرور خودکشی کر لیں گے۔

☆☆☆☆☆

حوالے:

1۔ ''چند ہمعصر'' مولوی عبدالحق 2015، ص 119

2۔ ''سو ہے وہ بھی آدمی''، مجتبیٰ حسین 2010، ص 8

Dr Anjum Fatima

Asst,Prof,Dept of Urdu

.A.M.T.A.Frist Grad Degree College Aland